وحشت عجب ہے کشمکشِ جوششِ جنوں
اُلجھا لیا ہے تارِ گریباں کو خار میں

شطحیاتِ وحشت

از

عبدالرحمن قادری وحشت
جلال آباد، ضلع مظفر نگر
(یو۔پی)

نذرانہ

مرشدنا و ہادینا و مخدومنا، سراج السالکین، محب الفقراء والمساکین حضرت شاہ نذر محی الدین مدظلہ العالی علیٰ رؤس الطالبین و لاحقین سجادہ نشین دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف حال لاہور کی خدمت اقدس میں نہایت مودبانہ و عقیدت مندانہ اس حقیر تصنیف و تالیف کو جو حضور ہی کے خوانِ نعمت کی ریزہ چینی ہے پیش کرتا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

نیاز مند

عبدالرحمٰن قادری۔ جلال آباد، ضلع مظفر نگر، یو۔پی

خادم خادمانِ بارگاہ عالیجاہ حضرت حافظ غلام قادر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جالندھر شریف

اُن عارفانِ خدا شناس اور مواحدین وحدت اساس کا، جو کہ اپنے آپ سے گزر کر تخلقو با اخلاق اللہ میں محو ہیں۔ فرمان ہے کہ علمِ تصوف و سلوک اشرف ترین علم ہے تاکہ اس کے ادراکات سے معرفتِ حق حاصل ہو اور کونیت کے پردے مرتفع ہو جائیں اور طالب پر حقیقت کے اسرار منکشف ہوں اور یہی نورِ عرفانی اس کی راہ کے لئے مشعل ہو، تاکہ عوالمِ ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت کے منازل طے ہوں اور منزلِ مقصود تک پہنچے۔

اشاراتِ حسی، محسوسات پر، اشاراتِ وہمی موہومات پر، اور اشاراتِ عقلی معقولات پر ہے اور اس بوجہ عزت و کبریائی محبوبِ جان کی اس عالم سے کوئی بھی نسبت نہیں ہے۔ لہذا اس کی طرف اشارہ کرنا سوائے شرک کے اور کیا ہے، اگر وہ غائب ہے تو اشارہ کس کی طرف ہے اور اگر حاضر ہے تو اشارہ کیوں ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرنا دل کا غافل ہونا ہے جس دل پر لا الہ الا اللہ کی عظمت کا تجلی ہو گیا، اس کو یاد کرنے کی پرواہ نہ رہی۔ جبکہ دل سے اس کی یاد نہ رہی تو زبان بھی یاد کرنے سے بند ہو گئی۔ تو اپنے آپ کو فراموش کر اور اپنے آپ کو خاموش کر، یہ فراموشی عجیب یاد ہے۔ اذکر ربک اذا نسیت

چند گوئی نظم و نسق و راز فاش
خواجہ یک روز امتحان کن گنگ باش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل الانسان مظہر ذاتہٖ وصفاتہٖ واسمائہٖ والصلوٰۃ والسلام علٰی سید الموجودات والفخر کائنات محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین الی یوم الدین ۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ جیسے صانع حقیقی کی صنعتِ عامہ مخلوقات میں مختلف ہے کہ باوجود کروڑہا مخلوقات ہونے کے شکل و صورت میں، رنگ و لون میں، رفتار و گفتار میں چال ڈھال میں، ایک دوسرے سے نہیں ملتا ۔ یہ اختلاف ایک کو دوسرے سے متمیز کرنے کے لئے ہے ۔ ایسے ہی اس کی صنعتِ عامہ اس کی ہستی کے عرفان میں بھی مختلف ہے اور ہر ایک اپنے اپنے عرفان کے موافق حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ہستی کے اثبات کرنے میں اپنے اپنے عقیدے پر اس مضبوطی سے قائم و برقرار ہے کہ انکو کوئی زلزلہ اپنی جگہ سے متزلزل نہیں کر سکتا ۔ یصورکم فی الارحام کیف یشاء اس کا شاہد ہے ۔

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اسلام کی بنیاد ان پانچ ارکان پر ہے ۔

(۱) کلمۂ توحید (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ (۵) حج

ان میں رکن اوّل یعنی کلمۂ توحید البسا رکن ہے کہ جس میں خداوند تعالیٰ و تقدس کی ہستی کے اثبات کرنے میں مسلمانوں کا عقیدہ اور ایمان ہے ۔

عوام الناس کا خدا پر ایمان اسی ہی قدر ہوتا ہے کہ ہمارا اور زمین و آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کا خالق اور اس کا رب ہے۔ جو تمام عالم میں قدرت اور تصرف عام رکھتا ہے لیکن کہا نہیں جاسکتا کہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔

حکماء متکلمین اور ان کے مقلد علماء کا خدا پر ایمان یہ ہے کہ انہوں نے از روئے عقل مصنوعات کے لئے صانع کی ضرورت کو دریافت کیا اور دلائل عقلی اس پر قائم کیں اور نقلاً نص قرآن میں انہوں نے دیکھا۔ ان اللہ خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش اور لیس کمثلہ شئی اور لا یدرکہ الابصار۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خالق منزہ بحت ہے اور طبقات زمین و آسمان بنا کر عرش اعظم پر قرار فرمایا۔ از روئے علم اور قدرت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے نہ کہ از روئے ذات۔

موحدین شہودیہ کا خداوند تعالیٰ و تقدس کی ہستی کے اثبات کرنے میں یہ عقیدہ ہے کہ وجود کو ذات واحد حق میں حصر کرتے ہیں اور عالم کو اس کا ظل کہتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ظل بھی اپنی اور تمام موجودات کی ہستی موہوم کے فنا کے مقام میں خدا کو دیکھتا ہے لیکن یہ شرک ہے اور اسکو اس مقام میں کھڑا نہ ہونا چاہیئے جب اس مقام سے ترقی ہوگی اور اپنی عبدیت اور رب کی معبودیت ہوگی تب اس کا ایمان معتبر ہوگا۔

حضرات صوفیہ صافیہ موحدین وجودِ عینیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو نہ محض تنزیہہ میں حصر کرتے ہیں اور نہ محض تشبیہ میں، اور کسی شئے کو اس کے وجود کا

شریک نہیں ٹھہراتے اور اس کے غیر کو ممتنع اور منتفی جانتے ہیں۔

یہ حضرات یعنی صوفیہ صافیہ موحدینِ وجود عینیہ قدست اسرارہم فرماتے ہیں کہ وجودِ حقیقی کے معنی ما بہ الموجودیۃ ذات بحت ہے جو ہر قسم کے قیود اور اعتبارات حتیٰ کہ قید اطلاق سے بھی معرا اور منزہ ہے اور وجود ذاتی کے ساتھ موجود ہے اور ممکنات اس کی نسبتیں اور اعتبارات ہیں اور ذات کا تعینات سے متعین ہونے کا نام ممکنات ہے اور تمام موجوداتِ واجبہ اور ممکنہ کی حقیقت وہی ذات ہے۔ یعنی وجوب حقیقت فعالیہ موثرہ ہے اور امکان حقائق منفعلہ ومتأثرہ اور ان دونوں کے درمیان کوئی اتحاد نہیں ہے۔ بلکہ واجب خالق ہے اور ممکن مخلوق۔ خالق اور مخلوق دونوں عین واحد سے ناشی ہیں۔ یہ حضرات اشیاء ممکنہ کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ غیریت حقیقی کی نفی کرتے ہیں، اور ذاتِ مطلقہ کا اثبات جیسے کہ الا انہم فی مریۃ من لقاء ربھم الا انہ بکل شئی محیط ؕ میں وہ ہر ایک شے پر محیط ہے۔ اربابِ توحید کے نزدیک یہ احاطہ ذاتی ہے۔ یہ احاطہ نہ فعلی ہے نہ صفتی اور نہ علمی، جیسے کہ ضمیر انَّہٗ سے ظاہر ہے۔ یعنی ضمیر انہٗ ذات پر دلالت کرتی ہے نہ کہ علم پر یا قدرت پر یا صفت پر، جیسا کہ علماء کا خیال ہے کہ یہ احاطہ علمی ہے یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ماہیت نہیں ہے۔ اس کی ماہیت اس کی ہویت ہے۔ اور اس کی ہویت اس کی عین ذات اور صفات ہے اس کی ہویت مطلق ہے، ہویت مطلقہ ذاتیہ چونکہ منبسط ہے وہ اس بات کی مقتضی ہے کہ حصر اور احاطے کے تحت میں نہ آئے، اور علم کا احاطہ

معلوم پر ہے جو کبھی بحدِ وجدان نہیں پہنچتا، اور کبھی بحدِ وجدان پہنچتا ہے مگر بحدِ ظہور نہیں پہنچتا اور کبھی بحدِ ظہور پہنچتا ہے مگر بحدِ شہود نہیں پہنچتا یہ علم کا نقصان ہے کیونکہ علم صفت ہے۔ صفت موصوف پر احاطہ نہیں کر سکتی، اگر یہ کہا جائے کہ علم خالقؒ کا ہے اور خالقؒ کا علم مخلوق کی ذات پر احاطہ کر سکتا ہے تو یہ بھی درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ جس طرح علم کا احاطہ ذات پر متعذر ہے۔ اس ہی طرح علم کا احاطہ ممکن پر بھی متعذر ہے، وجہ یہ ہے کہ جو کچھ غیب ہویت میں مندمج اور مندرج ہے۔ اس کا ظہور ایک دم نہیں ہے بلکہ اس کا ظہور بالتدریج ہے۔

اس ہی طرح نحن اقرب الیہ، ولا کن لا تبصرون۔ میں قرب ذاتی ہے نہ کہ علمی یا صفتی، کیونکہ ممکن کے علم کا تعلق لبصر سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ اگر اس سے مراد قرب علمی یا صفتی ہوتا تو لفظ لا تبصرون نامناسب تھا۔

یہ ممکنات جس پر عالم کا اطلاق ہے جو ہمارے سامنے ہے، یہ یا تو جوہر ہوگا یا عرض، اور یا، نہ جوہر ہوگا اور نہ عرض، اگر ہم یہ مانیں کہ یہ عالم نہ جوہر ہے۔ اور نہ عرض تو اس سے عالم کا بطلان ہے جو صریح خلاف ہے اور اگر ہم یہ مانیں کہ یہ جوہر ہے تو یہ بھی نہیں کیونکہ جوہر بغیر عرض اور ہیولیٰ بغیر صورت کے محال ہے۔ دوسرے جوہر وہ ہے جو قائم بہ نفسِ خود ہو اور کسی موضوع میں نہ پایا جائے۔ یہ موضوع میں موجود ہے اور بذاتِ خود قائم نہیں اور جوہر ذاتِ جوہر میں امر اعتباری ہے۔ اس کا تحقق اور اس کی ماہیت کچھ بھی نہیں، اور امورِ اعتباریہ کا عقل و ذہن میں موجود ہونے کے

سوائے اور کہیں وجود نہیں ہے۔ لہٰذا عالم سے مراد وہ اعراض ہیں جو عین واحد پر مجتمع ہیں۔ اور شے کی حقیقت حضرت علم میں اس شان سے متعین وجود ہے۔ جس شان کی وہ شے مظہر ہے۔ یا وجود اس شان سے متعین ہے۔ جس شان کا وہ وجود منشہد ہے۔ لہٰذا شے کے معنی انصباغ کے اعتبار سے ظاہر وجود ہے اور باطن وجود سے صورِ علمیہ کا زوال محال ہے۔ ورنہ حضرت وجود میں جہل لازم آتا ہے۔ پس ہر شے وجود اور حقیقت کی حیثیت سے وجود سے متعین ہے۔ اور وجود پر وہ تعین عارضی ہے تعین متعین ہی کی صفت ہے۔ صفت وجود کے اعتبار سے حقیقت میں عین موصوف ہے اگرچہ تعقل اور فہم کے اعتبار سے غیر معلوم ہوتا ہے۔ پس کوئی شے اس کی غیر نہ ہوئی بلکہ وہ چیز سب کی عین ہوئی اور سب چیزیں اس کی عین۔

اگر ذاتِ باری تعالیٰ عزاسمہ کے وجود کے ساتھ عالم پر وجودِ غیر کا اثبات کریں تو ذاتِ حق میں تناہی لازم آئے گی۔ جو محال ہے کیونکہ دو چیزوں میں مغائرت حاصل کرنے کے لئے بغیر دونوں میں سے ایک کو نک لئے حاصل ہونا محال ہے۔ اور دو چیزوں کے ماننے سے یا تو ایک چیز کی تناہی لازم آئے گی۔ یا اجتماعِ نقیضین۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ مثلاً گرم پانی میں آگ کی معیت پانی کے ساتھ ہے۔ اور پانی کی معیت آگ کے ساتھ۔ تو اس میں شک نہیں ہے کہ دونوں میں سے ایک کا متناہی ہونا لازمی ہے۔ ورنہ ایک کے مکان میں دوسرے کا داخل ہونا سمجھا جائے گا۔ جو جمع بین الضدین ہے پس اگر ذاتِ ممکن ذاتِ واجب کی غیر سمجھی جائے تو ذاتِ واجب میں

تناہی لازم آئے گی۔ وجوب اور امکان ایک دوسرے میں منہمک بھی نہیں ورنہ ذاتِ واجب کا ذاتِ ممکن میں ساری ہونا سمجھا جائے گا جو اجتماع الضدین ہے۔ اور بر تقدیر عینیت یہ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ذاتِ مطلق باطلاقِ ذاتی (نہ کہ بر تعینات وجوبی) عین ممکن ہے۔ اس سے تناہی لازم آئی اور نہ اجتماع الضدین۔

الصوفی لا مذہب لہ۔ سے مراد اس کی بے چونی و بے چگونی سے ہے یعنی صوفی وجود بے وہی میں محو ہوتا ہے۔ ہوش صفات سے بوش ذات میں غائب ہوتا ہے۔ ما سوا کی نفی کرتا ہے۔ تو مذہب و کیش وہاں کہاں ہوتا ہے یعنی اسکی نظر سے حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، وہابی، چکڑالوی، احمدی، محمدی، دیوبندی، بریلوی وغیرہ وغیرہ کا تفرقہ مٹ جاتا ہے۔ اور اس کی نگاہ میں کوئی بُرا یا بھلا نہیں رہتا۔

سیدھے رستے پہ ہے صوفی، نہیں صوفی گمراہ
صاف دل صوفی ہے، صوفی نہیں مائل بگناہ
الصوفی ولا مذہب لہ، کہتے ہیں اس واسطے سب
مذہب و کیش پہ ہوتی نہیں صوفی کی نگاہ

ایک ذات ہے جو باعتبارِ مراتب وجوبی و اطلاق منزہ ہے اور وہی ذات ہے جو باعتبارِ مراتب کونی مشبہ ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں۔

الحق منزہ والخلق مشبہ۔ اگر معرفت حقیقی سے جو کہ تنزیہہ اور تشبیہہ میں جمع ہے مشرف ہوجاؤ گے تو انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مراتبِ درایت تک فائز ہوجاؤ گے اور تاویل و تعطیل دونوں ورطوں سے پار ہوجاؤ گے ورنہ منزہِ بحت یا تو جاہل ہے یا بے ادب، یعنی اگر اس بات کو نہیں جانتا کہ تمام اسی ہی کا مظہر ہے اور عین ظاہر ہے تو جاہل ہے اور اگر باوجود جاننے کے محض تنزیہہ پر اقتصار اور تشبیہہ سے احتراز ہے تو وہ بے ادب ہے۔ اور کافی وہ ہے جو اللہ اور اس کا رسول کہتا ہے۔

گر یہ کہتے ہو کہ اظہارِ صفت ہے انساں

تو یہ تبلاؤ کہ موصوف کہاں ہے پنہاں

ذات ہے ایک نہیں اس کا کوئی غیر و شریک

خود مشبہ و منزہ ہے، خود ہی ظاہر و نہاں

حقیقتِ واحدہ تین اعتبارات سے (یعنی احدیت ۔ وحدت اور واحدیت) مراتب ثلاثہ سے مسمّٰی ہے۔ ایک اعتبار سے اللہ سے مسمّٰی ہے کہ اس کا اطلاق کبھی ذات مطلقہ پر ہے اور کبھی فعالیہ مؤثرہ کی حقیقت پر ہے، یہ تمام صفاتِ کاملہ کا مجموعہ ہے اور حقیقتِ واجب خالق ہے۔ اور مقابل منفعلہ متأثرہ کی حقیقت ہے، یہ ممکن کی حقیقت ہے، یہ مخلوق ہے۔ لہٰذا اللہ بمعنی اول عین ہر شے ہے خواہ واجب ہو یا ممکن، اور بمعنی ثانی ممکن کا مغائر اور متبائن۔

ہیں بعض ظہوراتِ حق اگرچہ باطل
پس منکرِ باطل نہ ہو تو اے جاہل
ماسوا حق کے اگر دیکھ لیا ذرّہ بھی
تو حقائق کی حقیقت سے ہُوا ہے غافل

حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی حقیقت ذات بحت اور ہستی ساذج ہے۔ جو تمام تعینات سے مطلق ہے۔ حقائقِ امکانیہ اس حقیقتِ حق کے شیونات ہیں۔ ان حقائق امکانیہ کو اعیانِ ثانیہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت علمیہ میں ان کا ثبوت ہے

اگر ان کا ثبوت حضرت علمیہ میں نہ ہو تو نعوذ باللہ ، ذاتِ بحت میں جہل لازم آتا ہے
ان حقائقِ امکانیہ نے یعنی اعیانِ ممکنات نے ظہور کی بو بھی نہیں سونگھی۔ یعنی ان کا
وجود ظاہر نہیں ہوا۔ اس لئے یہ حقائقِ امکانیہ معدومات ثابتہ ہیں۔ ان شیونات میں
اعیان کے احکام اور آثار کے لباس میں متلبس ہو کر حق کا وجود ظاہر ہے جو بذاتہ
موجود ہے لہذا درحقیقت حق موجود ہے جو کہ وجود ہے۔

ہستی کا ہر فرد سے اثبات ہے
ذرّہ ذرّہ دھر کا آیات ہے
یہ تعین ہے متعین کی صفت
علم کے موافق ظہورِ ذات ہے

ایک حقیقت ہے جو مختلف اعتبارات سے مختلف اسماء سے مسمیٰ ہوئی ہے مثلاً
حضرت وجود۔ بشرط لاشی ہر ایک نسب و اعتبارات سے مجرّد ہے اور احدیت
سے مسمیٰ ہے اور بشرط شی تمام اعتبارات اور نسب کے اتصاف کے متصف
ہونے کی حیثیت سے واحدیت سے مسمیٰ ہے اور لابشرط شی ہر ایک اعتبار

ہیں نہ تجرد کی شرط ہے اور نہ تمام اعتبارات میں اتصاف کی شرط ہے۔ بلکہ محض قابلیت اور صرف استعداد کی شرط ہے۔ اس وجہ سے وحدت، حقیقتِ محمدی اور حقیقتِ ساریہ سے مسمیٰ ہے۔ لہذا ایک حقیقت ہے جو تین اعتبارات سے تین اسماء مذکورہ سے مسمیٰ ہوئی ہے۔ یہ بھید ہے جو ھوالاول والآخر والظاھر والباطن اور الا انھم فی مریۃ من لقاء ربھم الا انہ بکل شیٔ محیط میں مضمر ہے اور اعتبارات کے تعدد حقیقت کے تعدد کے مستلزم نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ہمارا نفس ایک اعتبار سے روح سے مسمیٰ ہے۔ ایک اعتبار سے سر ہے، ایک اعتبار سے صدر ہے، ایک اعتبار سے فواد ہے، ایک اعتبار سے عقل ہے، ایک اعتبار سے امارہ ہے، ایک اعتبار سے لوامہ ہے ایک اعتبار سے مطمئنہ ہے، ایک اعتبار سے عقل ہیولانی ہے، ایک اعتبار سے عقل الملکیہ ہے، ایک اعتبار سے عقل مستفاد ہے، اور ایک اعتبار سے عقل بالفعل ہے، باایں ہمہ ہماری وحدتِ حقیقی قائم ہے۔ ہمارے یہ تمام اعتبارات معقولی اور قولی ہیں، اور ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ تمام موجودات ممکن حق کے نور سے یعنی اس کی تجلی سے پیدا اور روشن ہے۔ اشیاء کی صورتوں کے ساتھ وجود کی نسبت اس کا تجلی ہے۔ جس کو اشیاء کہتے ہیں۔ اور حقیقت میں غیر حق کچھ بھی نہیں اور تمام اشیاء اس سے موجود ہیں۔

یہ تجلیات معقولات ہے
اور معقولات بے اثبات ہے
عقل، عاقل اور معقولات چھوڑ
کہہ خدا ہے اور خدا کی ذات ہے

اہلِ توحید لفظ وجود کو حقیقی پر اطلاق کرتے ہیں کیونکہ اس کی ہستی بذاتِ خود ہے اور باقی موجودات کی ہستی اس کی ذات سے ہے اور فی الحقیقت خارج میں جو کچھ موجود ہے وہی ہے۔ اس کا غیر نہیں ہے اور تمام موجودات اس ہی کے عوارضات ہیں اور اس ہی سے قائم ہیں۔

وجود بہ معنی کون وحصول و تحقق کیونکہ یہ معنی مصدریہ اور مفہوم اعتباریہ ہیں۔ اطلاق تو بمعنی لا بشرط لا شئی سب سے مجرد۔ یعنی اس حیثیت سے کہ خارج اور نفس الامر میں موجود نہیں ہے اور محض مفہوم اعتباری ہے۔

وجود بمعنی لا بشرط شئی اور لا بشرط لا شئی ہے یعنی اگرچہ یہ از نسبِ اضافیہ مشروط ہوتے ہیں لیکن وہ فی حد ذاتہٖ نہ کل ہے اور نہ جزئی نہ عام ہے اور نہ

خاص، نہ واحد ہے اور نہ کثیر یعنی حقیقت میں وہ ان نسب و اعتبارات سے ماخوذ نہیں ہے۔ اس وجود حقیقی اور مطلق بالاطلاق ذاتی میں تمام اضداد جمع ہیں اور ایک دوسرے کے عین ہیں۔ اور وہ فی حدِ ذاتہٖ کسی احکام میں محکوم نہیں ہے۔

چنانچہ اربابِ نظر فرماتے ہیں کہ معدومیت، لاموجودیت، لاکلیتہ اور لاجزئیتہ سے خالی ہے یعنی حقیقت میں وہ ان نسبتوں میں سے کسی نسبت میں بھی داخل نہیں ہے۔ اور از روئے وجود کلی کے ساتھ کلی ہے۔ اور جزی کے ساتھ جزی، یعنی اگر کلیتہ سے اعتبار کریں تو کل ہے اور جزئیتہ سے اعتبار کریں تو جزی اور باعتبارِ ذات من حیث ہی نہ کلیتہ میں محکوم ہے اور نہ جزئیتہ میں، پس یہ تمام اضافات اور اعتبارات ذات پر زائد ہیں اور خارج ہیں ماہیت کلیتہ اور جزئیتہ سے منفک نہیں۔ مثلاً عالم کا وجود اور اس کی بقا اس کی اپنی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے اور ممکن ہونے کی حیثیت سے از روئے طرفین وجود یا عدم کی طرف اس کا مرجع ہے کیونکہ اس کی ایجاد کا ہونا اور اس کا فنا ہونا بدیہی ہے اور چونکہ یہ ممکن ہے۔ یہ ممکن بھی ماہیت اور وجود کے ساتھ تمام نشأت صوریہ جسمیہ اور روحیہ سے مرکب ہے اور اس وجہ سے اس کی ترکیب اور تعین کو علت کی ضرورت ہے اور یہ علت کی ضرورت اس بات کو چاہتی ہے کہ وجود مستقل اور قائم بالذات ہو جس سے اس کا وجود اور اس کی بقا متصور ہو سکے۔ چونکہ اس کا تسلسل محال ہے۔ اس لئے وہ ذات مستقل خارج وجود عالم اور منفصل ہونی چاہئے اور چونکہ وجود عالم کے معنی

ہیں تعینات کے مرتبوں میں استتار ہستی مطلق اور بقاء سے مراد ہے۔ اناتِ متوالیہ اور انفاس متشالیہ میں اس کی صورتوں کا ظہور تو اس حالت میں اس کا عین عالم اور متصل اور داخل ہونا لازمی ہے۔ اور من وجہ عینیت اور غیریت جو کہ متحقق ہے۔ کہا جا سکتا ہے نہ خارجِ عالم ہے۔ اور نہ وراء عالم، نہ داخلِ عالم اور نہ منفصل عالم، داخل بھی ہے اور خارج بھی متصل بھی ہے اور منفصل بھی، اس عالم سے خارج اور وراء من حیث البطون والاطلاق ہے اور اس عالم کے متصل اور داخل من حیث الظہور والتعین ہے پس موجودِ حقیقی باعتبار تعدد صوری وراءِ عالم ہوا اور بحسبِ وحدتِ معنوی اور احدیثِ ذاتی عین عالم۔

عالم یہ عرض ہے یا ہے جوہر

ہے ہستیٔ حق ان سے کہیں بالاتر

لیکن نہ وراء عالم نہ صرفِ عالم

معروض ہے جوں لفظ میں معنی مضمر

اہل اللہ کی اصطلاح میں عالم کی صورت کو، صورت کے اعتبار سے انسان کبیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور انسان کو انسان صغیر سے ورنہ معنی کے اعتبار سے انسان، انسانِ کبیر ہے اور عالم انسانِ صغیر کیونکہ حضرتِ انسان، تمام مراتبِ الٰہیہ و کونیہ عقول و نفوسِ کلیہ و جزیہ، اور مراتبِ طبیعۂ وجود کے آخر تنزلات تک، تمام کا جامع ہے اور جناب مطلق کے اسماء و صفات کا مَظہر بھی ہے اور مُظہر بھی۔

عالم تمام اجزاء روحیہ، مثالیہ، جسمیہ اور عرضیہ کے ساتھ حضرت الوہیت کی تفصیلاً صورت ہے۔ اور انسانِ کامل اس کی صورت جمعاً۔

حضرت انسان اُم الکتاب کی ایک مختصر کتاب ہے ــــ (ام الکتب اس کو کہتے ہیں۔ جو اس جمعیتِ الٰہیہ کی احدیت ہے۔ جو اسماء فعلیہ و جوبیہ کے حقائق پر مشتمل ہے۔ اور نسبتِ ربوبیت کے دقائق پر منطوی اور ایسے طریقے سے ہے کہ کوئی چیز اس سے باہر نہیں) یہ تمام کمالاتِ ذاتیہ بوجہ کمال اس حیثیت سے کہ نقصان کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ اجمال اور تفصیل کے ساتھ اس مظہر میں یعنی حضرتِ انسان میں ظاہر ہے کیونکہ صفات کی شانیں اور جمعیت کا رتبہ مجمل ہے اور مظاہر متفرقہ میں عالم میں مفصل اور عقل میں بالقوہ ہے۔ اور نشاء انسان اجمال و تفصیل کے درمیان بالقوہ و بالفعل جامع ہے کیونکہ اس میں دفعتہً مجمل ہے اور بالقوہ علی سبیل التدریج مفصل اور بالفعل ہے یعنی مرتبہ روحانیہ کے اعتبار سے مجمل ہے اور مرتبۂ قلبیہ کے اعتبار سے مفصل۔

لہذا حضرتِ انسان تمام کائنات میں خاص الخاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ مقربین میں بالملائکہ مخصوصانِ بارگاہ عزت و کبریا میں سے کوئی بھی باوصف طہارت و لطافت انسانی قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے خلافت کے شرف سے مشرف نہ ہوا۔ بلکہ حضرتِ انسان جامعیت مقامات مذکورہ کے سبب سے خلافت کے شرف سے مشرف ہوا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ؁

مجمع مجموع اسماء آدم است   لاجرم او قطبِ جملہ عالم است

لہذا تو اپنے آپ کو پہچان کہ تو کون ہے اور کیا ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

مظہر جامع یقیناً حضرتِ انسان ہے
حضرتِ انسان ساری ہستیٔ سبحان ہے
سب سے اول ہے یہی اور سب سے آخر ہے یہی
ہے یہی اللہ کا مظہر رب کا یہی بنیان ہے

جنس فہمیدان توحید کی کنہہ تک پہنچنا ہے۔ توحید کی کنہہ تک پہنچنا اس طرح ہے کہ

وجود ایک سے زیادہ نہیں ہے اور وہ وجود اسی ہی عز وجل اور وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ہے سوائے وجود عز وجل کے بغیر وجود موجود نہیں ہے یعنی لا شیئ وجود ماسواللہ یعنی کان اللہ ولم یکن معہ شیاء معہ وصف الآن کما کان کے موصوف۔ اس معنی سے سب وہی ہے، اور لفظ کونین محض آئینہ بناکر سامنے رکھ لیا ہے۔ تاکہ اپنے جمال باکمال کا تماشائی ہو حقاکہ انسان محض ایک آئینہ ہے اگر شگفتگی کے ساتھ دل کی نگاہ اپنے اندر کریگا۔ توسوائے اپنے آپ کے اور کچھ بھی نہ دیکھے گا۔ اگر چند دن دل کے گوشے میں بیٹھے (دل بیت اللہ ہے) تو لا یموتون کے رنگ میں رنگا جائے اور جو کوئی بے وہم ہوکر اپنے آئینۂ دل میں دیکھتا ہے وہ ان اللہ خلق الآدم علیٰ صورتہٖ کے معنی سے واقف ہوتا ہے اور لا اری فی الوجود الا اللہ کی جمعیت گاہ میں بیٹھتا ہے اور جو کوئی اپنے وہم کے ساتھ صرف عالم کثرت کو دیکھتا ہے اس کے دل میں نورِ وحدت نہیں رہتا۔ یعنی مقام اسفل السافلین اور نارِ سجین کے تحت میں پہنچتا ہے۔ پس جب تک اپنی خود بینی کے آئینہ میں نہ دیکھے گا۔ کثرت میں ہے، اور جب تک کثرت میں ہے دولتِ وحدت سے بے بہرہ ہے، چونکہ کثرت والے شک اور شرک کے وہم کو پکڑے ہوئے ہیں اس لئے ہمیشہ وہم اور شک کے غار میں پڑے ہوئے ہیں اور جو وہم وشک کے غار میں پڑے ہوئے ہیں وہ مخذول ہیں۔ انسان کی کمالیت یہی ہے کہ اپنی شناخت ہو یعنی من عرف نفسک تعرف ربک چونکہ خود شناسی خداشناسی کا مخزن ہے اور خداشناسی خودِ شناسی کا منبع، پس جس قدر انسان خدا کو ڈھونڈھتا ہے۔ اتنا ہی اپنے آپ کو پاتا ہے

اور جتنا خود کو ڈھونڈھتا ہے، اتنا ہی خدا کو پاتا ہے کیونکہ خود اور خدا ایک ہے۔ اور خدا خود کے لباس میں جلوہ گر ہے۔ اور خدا کے لباس میں خود۔ زیرِ کاہ کوہ پنہاں ہے اور زیرِ سحاب ظہورِ آفتابِ درخشاں، اور زیرِ قطرہ دریا جلوہ گر ہے اور زیرِ حباب آبِ رواں، زیرِ موج محیطِ بیکراں اور کسورتِ تیغ میں آبِ رواں، مرحبا، مرحبا۔

جب تک کہ ہم کو اپنی ہی پہچان آئی نہ
سمجھا کیا مُشکل وہی ہے آئینہ
جب آنکھ کھل گئی تو یہ معلوم ہو گیا
دونوں طرف ہے آپ ہی برزخ ہے آئینہ

جو وہم کے غلبہ کی وجہ سے جو کچھ سمجھتے ہیں تو ا[illegible] دیکھتے جیتے ہیں۔ اور دن رات وہم میں گرفتار ہیں۔ اور وہم میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ وہ تمام وہمی چیزیں ہیں۔ اور عقل اور شعور بھی وہم میں فنا ہے ان کا سجدہ گاہ سوائے آب و گل کے اور کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اعتباری کو معتبر تصور کر لیا ہے اور سمجھ لیا ہے کہ یہی منزل گاہ ہے اور اس طرح (یعنی غلبہ وہم میں گرفتار) جو اس جہاں میں ہے تا بہ شغل

ہے اس نے لفظ شریعت کو عین شریعت سمجھ رکھا ہے اور معنی شریعت سے اپنے آپکو کوسوں دُور کر رکھا ہے۔ یہ نہیں سمجھتا ہے کہ جو تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے اور جو کچھ تیرے دل میں ہے وہ تیرا حاصل ہے۔ یہ سمجھے کہ الا لیعبدون کی دلالت الا لیعرفون سے ہوتی ہے۔ یعنی جن اور انسان کو شناخت کیلئے پیدا کیا ہے لہذا بغیر خود کے شناخت کئے ممکن نہیں ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ہے اور شناخت خود دوئی کے وہم کی نفی کرنے میں ہے اور دوئی کے وہم کی نفی بغیر محبت روز افزوں کی جمعیت کے ناممکن ہے محبت روز افزوں کی جمعیت بغیر طہارت دائمی کے ناممکن، طہارت دائمی بغیر طہارت معنوی کے محال ہے یعنی جب تک طریقت کو اچھی طرح نہ پکڑو گے دولتِ باطنی سے مشرف ہونا محال ہے۔ شریعت سے مطلب طہارت ظاہری ہے اور طریقت سے مراد طہارتِ باطنی، جب تک سالک اپنے ظاہر اور باطن کے شرکِ خفی و جلی سے بالکل پاک و صاف نہ ہو جائے گا۔ اپنی شناخت کی خلافت پر متمکن نہ ہو گا۔ اور جس وقت خلافت پر متمکن ہوا تو نہاں خانہ حقیقت میں گوشہ نشین ہوا۔ شریعت مقامِ طریقت کا راستہ ہے اور طریقت وہ راستہ ہے جس سے حقیقت کی جمعیت گاہ میں پہنچتا ہے شریعت سے طریقت آتی ہے۔ اور طریقت سے حقیقت اور حقیقت سے بخود از خدا بخدا۔

آئینِ شرع ہی تیرا معبود نہیں
راہِ مقصود فقط منزلِ مقصود نہیں

غور سے دیکھ کہ ہر لفظ میں معنی ہیں نہاں
کیا نگاہِ سطح بین اس جگہ مردود نہیں

قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ یعنی بیت اللہ ہے، پس ہر حالت میں کعبۂ دل کا طواف کرنا لازم ہے۔ یکتائے دل کا بیج دل میں بونا چاہیئے تاکہ اس پر توحید کی بارش برسے اگر توحید کی بارش برسے گی۔ تو تمام اضافات اور اعتبارات کے خس و خاشاک کو بہا کر لے جائیگی کیونکہ جس جگہ توحید ہے، وہاں تقلید کہاں ہے۔ وہاں تو خود بخود ہونا اور ماسوائے حق کو فنا کرنا ہے۔ وہم پرست کہ کافران وقت ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ساتویں آسمان پر ہے، بلکہ عرش سے بھی اونچا ہے۔ اور اس موہومی کا یہاں تک اثر ہے کہ حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لقاء کسی سے ایک دم کے لئے بھی علیحدہ نہیں مگر یہ اس سے بے نیاز ہیں۔ اور اپنے وہم و خیال میں غرق ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ وہم و خیال عدم ہیں۔ وہم و خیال وجود نہیں رکھتے اور اس طرح سے حیوانِ ناطق کے زمرے

میں شامل ہیں وہ یہ نہیں جانتے اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک ذات ہے جو لا محدود لا معدود اور لا انتہا ہے اس سے کوئی شے خالی نہیں ہے وہ ہر ایک چیز پر محیط ہے یعنی تمام وہی شے ہے ہر ایک ظہور میں ایک خاص وصف سے ہے۔ ہر وصف میں ایک خاص صفت سے ہے۔ ہر صفت میں ایک خاص ظہور سے جلوہ گر ہے اور بے رنگی ذات سے صفاتِ رنگا رنگی کے ساتھ ظاہر ہے جبکہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ وھو معکم اینما کنتم گواہ ہے تو پھر دوری و مہجوری کس وجہ سے ہے اور یہ در بدر خاک چھاننی کیوں ہے، اس جمعیت کو جاننا اور وحدانیت کی ذات بحت میں گم ہونا اور ہر موجود میں اپنے آپکو ڈھونڈھنا نہایت اچھا ہے۔ اور یہ جب میسر ہوتا ہے جبکہ تمام صفاتوں کو ذاتِ بحت میں گم کرے۔ گم کرنا یہ ہے کہ تمام توہمات کی نفی ہو جائے اور باقی کی بے وہمی کی بقا ہو اور من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کو اپنا شعور گردانے، موت سے پہلے مرجائے اور انک میت و انھم میتون کو سمجھے بیخود ہو کر خود کو آغوش میں لے بیرنگی کے رنگ میں اپنے آپکو رنگ لے۔ بیرنگی بغیر علمِ وحدت پہنچائی نہیں جاتی علمِ وحدت جب تک کثرت رفع نہ ہو ہاتھ نہیں آتا۔ کثرت کا رفع کرنا بغیر وہم کے کھوئے محال ہے اور رفع وہم بغیر شرابِ معرفت کے نوش کئے مشکل ہے، اور شرابِ معرفت بغیر ہدایت پیرِ مغان ناممکن، پیرِ مغاں بغیر طلبِ صادق اور بغیر طلب کس طرح دے۔

نہ حقیقت کی طرف مائل نہ دل سوئے مجاز
نہ تکبّر کا یہ شیوہ ہے نہ اندازِ نیاز

آسماں پر تو بٹھا رکھا ہے تو نے اے شیخ
سجدہ اللہ کو زمین پر اتری اللہ سے نماز

بعض محققین فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طلب ہونی چاہیئے اور بعض فرماتے ہیں کہ طلب نہ ہونی چاہیئے، ان دونوں قولوں میں سے کسی قول کو باطل نہ سمجھ ان دونوں قولوں کو حق سمجھے۔ جب تک تیری نظر میں یہ دو قول ایک دوسرے کی ضد ہیں تو ایک دوسرے کے خلاف ہیں لہذا اس میں دو جہت ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ طلب ہونی چاہیئے۔ وہ اس لئے کہتے ہیں کہ اگر طلب نہ ہوگی تو معطل ہو جائیگے جو یہ کہتے ہیں کہ طلب نہ ہونی چاہیئے وہ اسلئے کہتے ہیں کہ اگر طلب کرنیکا خیال ہوگا تو اس میں تشبیہ ہے یہ دونوں معنی حق کے لئے سزاوار نہیں ہیں پس کیا ہونا چاہیئے۔

یہ ہونا چاہیئے کہ طلب مشبہ کی طرح نہ ہو اور ترک طلب معطلان کی طرح نہ ہو یعنی نہ طلب کو ہاتھ سے چھوڑے اور نہ طلب کرے کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں ہے کہ اسکے لئے حرکت کرے۔ وہ کسی مکان میں نہیں ہے کہ اسکے مکان کو تلاش کرے۔ وہ آنیوالا نہیں ہے کہ جلدی یا دیر سے آئیگا۔ وہ دور نہیں ہے کہ نزدیک ہو جائیگا۔ وہ گم نہیں ہے کہ تلاش کرنے سے مل جائیگا، وہ زمانی نہیں ہے کہ وقت کا انتظار کیا جائے وہ مکانی نہیں ہے کہ اس کے مکان کو تلاش کرے۔ یہ سب طلب حق کی نفی ہے اور حق ہے

اثبات کیا ہے، اثبات یہ ہے کہ اپنے آپکی نفی کرے، اور اپنے اندر نفی کرنیکا وصف پیدا کرے تاکہ تمام صفات بشریت سے کنارہ ہو جائے، اور تمام صفات ملکیہ بھی فنا

ہو جائیں، اور تمام اشیاء سے مجرد اور منفرد ہو جائے تاکہ جیسا حق سبحانہ تعالیٰ لیس کمثلہٖ شئی ہے تیری طلب بھی لیس کمثلہٖ ہو۔ اثبات طلب یہ ہے کہ جو یہ چاہے کہ آئینہ کے عکس کو درست دیکھے اور آئینہ کو صاف نہ کرے وہ طلب محال میں ہے اور جو کوئی حق کو طلب کرتا ہے اور اسکا دل اوصاف بشریت سے صاف نہیں ہے وہ جو کچھ تلاش کرتا ہے محال تلاش کرتا ہے اور جو کوئی وصال کے راستے پر چلتا ہے اور لوحِ سینہ سے نقوشِ غیر کو صاف نہیں کرتا۔ وہ بیہودہ گردی کرتا ہے۔ یہ اس کی طلب نہیں ہے کہ جس کو سمجھتا ہے کہ طلب کا اثبات کرتا ہوں، طلب کا اثبات یہ ہے کہ خود کو محو کرے۔ طلب یہ نہیں ہے کہ اس کی طرف دوڑے، طلب یہ ہے کہ اپنے وجود کو محو کر دے۔ طلب یہ نہیں بلکہ اسکو ڈھونڈھے، طلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ترک کردے تو اپنا آئینہ صاف کر جب آئینہ صاف ہو جائیگا۔ ضروری الوجود کا عکس ہے اس میں پہلا مرتبہ علم کا راستہ ہے علم چاہیئے کیونکہ بغیر علم کے عمل درست نہیں ہوتا۔ دوسرا مرتبہ عمل کا طریقہ ہے اس میں اول نیت کا عمل ہے جب تک نیت نہ ہو عمل وجود نہیں پکڑتا۔ تیسرا مرتبہ درگاہ نیت ہے یعنی نیت صحیح ہو کیونکہ بغیر نیت صحیح عمل درست نہیں ہے۔ چوتھا مرتبہ صدق ہے۔ صدق ہونا چاہیئے کیونکہ بغیر صدق کے عشق قائم نہیں ہوسکتا۔ پانچواں مرتبہ عشق ہے۔ جب تک عشق نہ ہو تو توجہ درست نہیں ہوتی۔ چھٹا مرتبہ توجہ ہے توجہ چاہیئے، کیونکہ بغیر توجہ سلوک کا راستہ طے نہیں ہوتا۔ ساتواں مرتبہ سلوک ہے، بغیر سلوک کے بخشش گاہ کا دروازہ نہیں کھلتا۔ آٹھواں مرتبہ بخشش گاہ کا دروازہ کھلنا چاہیئے تاکہ مقصود سے واسطہ ہو۔ نواں مرتبہ مقصود سے واسطہ ہونا ہے یہ محض ایک عطا ہے اس میں کسی کا دخل نہیں ہے۔

پابند گر خودی کا ہے ساجد نماز کا
سالک حقیقی کا ہے نہ سالک مجاز کا
اے دل اگر وجود کے ذنبؐ پہ ہو یقین
پردہ ہو پارہ پارہ حقیقت کے راز کا

حق خلق کی راہ میں نہیں ہے بلکہ خلق حق کی راہ میں ہے۔ جس کا رخ اپنے آپ کی طرف ہے، اس کی پشت دین کی طرف ہے۔ اور جس کی پشت اپنے آپ کی طرف ہے۔ اس کا رخ دین کی طرف ہے۔ جس جگہ تو ہے وہاں صرف تیری لذت ہے اور یہ راہ مخالف ہے۔ جس کی راہ مخالف ہے، اس کے لئے ناکامی ہے۔ ہر بات جو حکمت سے خالی ہے عین آفت ہے، ہر خاموشی جو فکر ت سے خالی ہے غفلت اور سہو ہے ہر نظر جو عبرت سے خالی ہے، ذلت اور لہو ہے، گناہ سے توبہ کرنا ایک دفعہ کا کافی ہے اور اطاعت سے توبہ کرنا ہزار بار بھی کافی نہیں ہے۔ کیونکہ اطاعت میں غرور ہے جو گناہ سے بدتر ہے۔ عبادت میں تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ عابد، معبود، اور عبادت، اور توحید کسی وجود کو قبول نہیں کرتی۔

سب سے زیادہ سخت عبادت کا جال ہے
جو اس میں پھنس گیا تو نکلنا محال ہے

وحشت نماز میں بھی خودی کا ہے احتمال
خودی سے بھی جو گذر گیا صاحب کمال ہے

واعبد ربك حتى يأتيك اليقين مفسرین اس آیت شریف کے معنی یوں یہ کہتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت یہاں تک کرو کہ تم کو یقین آجائے۔ اکثر علماء کہتے ہیں، کہ لفظ الیقین سے موت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بحکم کل نفس ذائقة الموت سے موت کا آنا یقینی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ موت کے اسموں میں سے ایک اسم الیقین بھی ہے یہ تفسیر نہ از روئے قرآن درست ہے اور نہ از روئے حدیث اور عقلاً بھی اس حکم کا کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ شرع کے احکام اور اعمال مکلفین کی حیات سے مشروط ہیں۔ مرنے کے بعد عامل کا عمل خود ہی منقطع ہو جاتا ہے۔ لہذا اس حکم کے خطاب کا فائدہ خاصتہً حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح نہ ہوا۔ اس وجہ سے اس آیت شریف کی دلیل حقیقہ وحدتِ وجود ہے اور الیقین کو اسکے اپنے معنی پر محمول کرنا چاہیئے اور یقین سے موت کی تاویل کرنا مفسرین کا صرف وہم ہے جس پر قرآن و حدیث سے کوئی نہیں ہے معنی

حقیقی کی تاویل سے ان کی منشا یہ ہے کہ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت کے وقت یقین حاصل نہ تھا لہٰذا اس اعتراض کے دفعیہ کی وجہ سے انہوں نے یقین سے موت مراد لی ہے۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ یقین کے تین مرتبے ہیں۔ اول علم الیقین شے کے دیکھنے سے پہلے، دوم عین الیقین شے کے دیکھنے کے بعد سوم حق الیقین رائی کا مرئی میں فنا ہونے کے بعد یہ تینوں مرتبہ قرآن پاک میں مذکور ہیں، اور جبکہ قرآن پاک میں تینوں مرتبوں کے وجود کا ثبوت ہے تو آیت شریف حتی یاتیك الیقین میں یقین کے لفظ سے جو مراد ہے وہ یہ ہے کہ فرد کامل یقین ہے، جو وجود واحد کے حق الیقین سے عبادت ہے چونکہ یہ مرتبہ فنائے کامل کے بعد حاصل ہوتا ہے اس حالت میں سکر و بیخودی ہے تو اس حالت میں عبادت کس طرح عمل میں آئے، اس معنی پر بہت بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کا یقین حق الیقین کے مرتبے تک تھا یا نہیں تھا۔ اگر نہیں تھا تو کمال نبوت میں نقصان لازم آتا ہے اور اگر آپکو صلی اللہ علیہ وسلم، یقین تھا تو عبادت ترک کر دینی چاہیئے تھی کیونکہ یقین مذکور ہیں لفظ حتیٰ سے عبادت کی غایت واقع ہوتی ہے اور معنا غایت حکم سے خارج ہوتی ہے، اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو توحید کا علم الیقین اور عین الیقین ہمیشہ حاصل تھا اور انکی عبادت کی ادائیگی عین الیقین کے مرتبے میں بطور احسان تھی جیسا کہ احادیث صحاح میں واقع ہے۔ الاحسان ان تعبد ربك كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك - یہ آنا بھی اور احسان مرتبہ عبدیت اور بشریت میں ہے نہ کہ فنائیت اور بیخودی ہی کیونکہ فنا میں وہ بیخودی،

نبی کی ولایت کے احوال میں سے ایک حال ہے جو کہ مرتبۂ نبوت سے بالاتر ہے، اور چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خلائق کی صلاح، فلاح اور ہدایت کے کام پر مامور ہیں، اور نبوت کے یہی معنی ہیں، لہٰذا اسکا مدار عقلِ معاش و معاد کی سلامتی اور صحت پر ہوا اسلئے یہ احتمال ہے کہ حق الیقین مذکور کی حالت علی الدوام نہیں رکھتے تھے کیونکہ خداوند سبحانہٗ کا قول ہے قل رب زدنی علماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ اللھم ارنا الاشیاء کما ھی اور اللھم ارنا الحق حقا اور اللھم ارزقنی فیك تحیرًا اور اسی طرح حضرت موسیٰ علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قول ہے، رب ارنی انظر الیك اور ایسے ہی دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کو قیاس کر لو۔ سب دعائیں زیادتی علم حقائق اشیاء کی رویت کی طلب ہیں اور ذاتِ منزہ کے مشاہدے کی تمنا ہیں ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تمنائیں اور یہ طلب فنا اور بیخودی کی حالت میں نہیں ہوسکتی بلکہ اقوال مذکورہ کا مضمون حق الیقین کی استدعا کے سوا اور کچھ نہیں، لہٰذا ارنا الاشیاء کما ھی کے معنی ارنا وحدۃ الاشیاء سعك فی الوجود انا الموجود ھو انت وحدك ہے، یعنی تعدد تکثر اور تغائر اشیاء جو عین الیقین میں ظاہر ہے حق الیقین کے حصول سے وحدت ارنا کی نظر عطا فرما۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ وجود میں صرف تو ہی تو ہے اور تیرا غیر کوئی نہیں ہے، اور اسی طرح اللھم ارزقنی فیك تحیرًا کے معنی حق الیقین کی طلب پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ ذات حق سبحانہٗ تعالیٰ میں سبب تحیر ہے۔ اور ان معنی کی صداقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملك مقرب ولا نبی مرسل۔ جو شاہد عدل ہے۔

تم کو تقوی سے ہے اُلفت رہو تقوی میں مدام
وصل ہو جس کو میسر نہیں پیغام سے کام
آتش تیز سزاوار ہے جب تک کہ ہے خام
دیگِ پختہ کے تلے آگ جلانا ہے حرام

فنا اس کو کہتے ہیں کہ باطن میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ہستی کے ظہور کا اس قدر غلبہ ہو کہ ماسوا کا شعور نہ رہے۔ یعنی غیر خدا کے تعلقات سے دل کو پاک و صاف کرنا ہے۔ خواہ از روئے طلب و ارادت ہو۔ اور خواہ علم و معرفت کے سبب سے۔ یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طلب و ارادت تمام مطلوبات اور مرادات کو قطع کر دے، اور نظرِ بصیرت سے تمام معلومات اور معقولات مرتفع ہو جائیں۔ فنائے فنا اسکو کہتے ہیں کہ بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے، فنا میں فنائے فنا مندرج ہے، اگر صاحبِ فنا کو اپنی فنائیت کا شعور رہا تو وہ صاحب فنا نہیں، کیونکہ فنا موصوف کی صفت ہے جس سے ماسوائے حق سبحانہٗ مراد ہے۔ پس فنائیت کا شعور بھی فنا کا منافی ہے۔ یعنی ہستیٔ مطلق کے ظہور کا نور باطن میں جلوہ فگن ہو کر تجھ سے اور تیرے غیر سے اس قدر پاک و صاف کر دے

کہ تجھ کو نہ اپنا شعور رہے اور نہ شعور کے ہونے کا شعور رہے۔ بلکہ لم یبق الا الواحد الاحد۔ سوائے اللہ وحدہٗ احد کے کچھ نہ رہے۔

ہشیار باش صاحبِ آہنگِ بیخودی
ہے نازِ بیخودی پہ، تو ہے ننگِ بیخودی

دعوائے بیخودی میں ہوا احساسِ بیخودی
احساسِ بیخودی میں کہاں رنگِ بیخودی

اہل دل کے لئے موت و زندگی کیا ہے۔ یا قید و آزادگی کیا ہے۔ وہم کے کانٹوں سے نکل کر گلشن بے وہمی میں آرام کرنا۔ توتیائے مازاغ البصر وما طغیٰ کا سرمہ دل کی آنکھ میں لگانا لا موجود الا ھو، کے مقام میں متمکن ہونا۔ تصرف ظاہری سے پاک ہونا۔ یعنی اس بات کو سوچنا اور سمجھنا کہ تمام اعتبارات معتبر کے فرض کئے ہوئے ہیں۔ اپنی موت و حیات قید و نجات کا مساوی کرنا ہے۔ چونکہ موت و حیات، قید و نجات تیری خودی میں ہے۔ اور تیری خودی محض وہمی ہے۔ کیونکہ اس میں خود نمائی ہے اس وجہ سے تو دوری اور نزدیکی کی قید میں گرفتار ہے۔ اور اس ہی نے تجھ کو دور کر رکھا

ہے اور یہی تجھ کو ذوبرو رکھے گی۔ لہذا تو اس موت وحیات سے گزرجا، حال کے رشتے کو پکڑ لے۔ یعنی کسی وقت میں بھی اپنے آپ کو درمیان میں مت لا۔ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ کا ہوش رکھ خودی موہومی چونکہ معدوم ہے اس میں دل کو مت پھنسا۔ اپنی خودی میں خدا کو ڈھونڈ۔ جس وقت تو بے خود (یعنی بغیر اپنے آپ کے) ہو گا اور لیس فی جبتی الا اللہ کی جمعیت میں قرار پکڑے گا اس وقت حق کی بشارت سے تو خود اپنے اندر دیکھے گا کہ عین خدائی ہے بس یہی تیرا کمال ہے، اور اس وقت تو خلیفۃ اللہ ہے اور تو آزاد ہے۔ کیونکہ تصرفِ ظاہری اور باطنی تیرے ہاتھ ہے۔

نفس کے حیلے سے گر نکلا تو ہے تو آزاد
کوہِ خواہش کو اگر توڑا، تو ہے تو فرہاد
اے مرغ اگر دام سے چھوٹا بھی تو آزاد نہیں
خواہشِ دانہ بھی چھٹ جائے تو ہے تو آزاد

(دستگیر پرنٹنگ پریس لاہور)